ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا
Professor, Department of Urdu, Kirori Mal College, University of Delhi

رینو کی کہانیوں میں ماٹی کی خوشبو

ملخص

ہندی ادب کے شاہکار ادیبوں میں پھنشور ناتھ رینو کا شمار ہوتا ہے۔انہوں نے اپنی کہانیوں کا مرکز گاؤں کو منتخب کیا۔اور زمین سے جڑے ہوئے لوگوں کے دکھ درد کو پیش کیا۔انہوں نے ماٹی کی خوشبو کو سونگھا ہے۔اسی سے ان کی کہانی نے جنم لیا ہے۔ان کے کردار بھی اسی ماٹی کے ہیں۔ان کی کہانیوں میں مکالمے لاجواب ہیں۔کردار کی مناسبت سے انہوں نے مکالمے ادا کروائے ہیں۔اسی وجہ سے ان کی کہانیوں کو بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ان کی ایک کہانی پر تیسری قسم نام سے فلم بھی بنی جس میں راج کپور نے اداکاری کی۔یہ فلم اپنے زمانے کے شاہکار فلموں میں شمار ہوتا تھا۔آج بھی اس فلم کے کردار اور اس کے مکالمے کو یاد کیا جاتا ہے۔اردو میں ان کی کہانیوں کے بارے میں متعارف کرانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اردو طبقے کو ہندی ادب میں کیسی کہانیاں لکھی جا رہی ہیں اس سے واقف ہوں۔اچھی تخلیق کے لیے مختلف زبانوں کے ادب کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔

کلیدی الفاظ: پھنشور ناتھ رینو، پریم چند، میلا آنچل، مارے گئے گلفام،

☆☆☆

پھنیشور ناتھ رینو پریم چند کے بعد کے دور میں جدید ہندی ادب کے سب سے کامیاب اور بااثر مصنفین میں سے ایک تھے۔وہ 'میلا آنچل' کے مصنف ہیں جو پریم چند کے 'گؤدان' کے بعد ہندی کا سب سے اہم ناول مانا جاتا ہے۔پھنیشور ناتھ رینو جی ہندی کے مشہور علاقائی کہانی کار اور مفکر ہیں۔انہوں نے اپنی تحریر سے ہندی نثری ادب کی ترقی میں اضافہ کیا ہے۔

پھنیشور ناتھ رینو 4 مارچ 1921 کو بہار کے اررریا ضلع میں فاربس گنج کے قریب اوراہی ہنگنا گاؤں میں پیدا ہوئے۔اس وقت ارریا پورنیہ ضلع کا حصہ ہوا کرتا تھا۔رینو کی تعلیم ہندوستان اور نیپال میں ہوئی تھی۔فاربس گنج اورارریہ میں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد، اس نے کوئرالا خاندان میں رہتے ہوئے، نیپال کے براٹ نگر کی براٹ نگر آدرش یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔انہوں نے 1942 میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ کیا اوراسی دوران وہ جدوجہد آزادی میں کود پڑے اور بھارت چھوڑو آندولن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اور بعد میں 1950 میں رینو جی نے نیپالی انقلابی تحریک کے ذریعہ نیپالی عوام کوراگ شاہی جبر سے نجات دلانے میں بھی حصہ لیا، جس کے نتیجے میں نیپال میں جمہوریت قائم ہوئی۔ انہوں نے پٹنہ یونیورسٹی کے طلباء کے ساتھ چھاتر سنگھرش سمیتی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جے پرکاش نارائن کی سمپورن کرانتی میں اہم کردارادا کیا۔وہ سیاست میں ترقی پسند نظریے کے حامی تھے۔

1953 میں وہ ادبی تخلیق کے میدان میں آئے اورانہوں نے کہانی، ناول اور مضمون جیسی مختلف ادبی اصناف میں تخلیقات پیش کیں۔رینو جی نے ہندی میں علاقائی افسانے اور ناول کی بنیاد رکھی۔تیسری قسم پراسی نام کی مشہور فلم بن گئی جس میں راج کپور اور وحیدہ رحمان نے مرکزی کردارادا کیے تھے جس کی ہدایت کاری باسو بھٹاچاریہ نے کی تھی اوراسے معروف گیت گار شیلندر نے پروڈیوس کیا تھا۔اس فلم کو ہندی سنیما میں سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ہیرامن اور ہیرابائی کی اس محبت کی کہانی نے محبت کی ایک حیرت انگیز مہاکاوی لیکن المناک کہانی تخلیق کی جوآج بھی قارئین اورسامعین کومسحور کرتی ہے۔

ہندی ادب میں علاقائی ناول نگار کے طور پر رینو جی کا مشہور علاقائی ناول میلا آنچل 1954 میں مقبول ہوا۔اس ناول نے نہ صرف ہندی ناولوں کوایک نئی سمت دی ہے بلکہ اس ناول سے ہندی دنیا میں علاقائی ناولوں پر بحث شروع ہوئی۔علاقائیت کے اس تصور نے ناولوں اور کہانیوں میں گاؤں کی زبان اور وہاں کی عوامی زندگی کو مرکز میں لا کھڑا کیا۔لوک گیت، لوک داستان، لوک ثقافت، عوامی روایت اور عوامی ہیرو کے تصور نے عظیم چیز اور ہیرو کے بجائے گاؤں کو ہی ہیرو بنا ڈالا۔ان کی کہانیوں میں علاقہ کی اصل تو ہیروابھر کرآتا ہے۔اس میں ملاوٹ نہیں

ہوتی ہے۔ اس لیے وہ جس سماج کی عکاسی کرتے ہیں وہ خشک اور خاک آلود ہوتا ہے۔ آزاد ہندوستان میں ان کی کہانیاں شہر کو مرکزیت بنانے والوں کا دھیان گاؤں کے مسائل کی طرف مرکوز کرتے ہیں۔ اپنی گہری انسانی حساسیت کی وجہ سے وہ ضرورت مند عوام کی بے بسی اور درد کو سہتے نظر آتے ہیں۔ اس حساسیت کے ساتھ یہ یقین بھی وابستہ ہے کہ آج کے پسے ہوئے انسان میں اپنی زندگی کی حالت بدلنے کی طاقت ہے۔

رینو ہندی کہانیوں کے ایسے لازوال فن کار ہیں، جنہوں نے اپنی کہانیوں میں دیہی سماج کی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ رینو کی کہانیاں ہندی کہانی کی روایت میں اپنی ساخت میں جدا ہے اور ہندی ادب میں نئی شناخت پیش کرتی ہیں۔ بالآخران کے ساتھ ایک نئی کہانی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ کہانیاں پریم چند کی سرزمین پر ہونے کے باوجود پریم چند کی کہانیوں سے اتنی ہی مختلف ہیں جتنی ان کے ہم عصر کہانی کاروں کی کہانیوں سے۔ پہلی بار رینو نے اپنی کہانیوں کے ذریعے پریم چند کی وراثت کو ایک نئی شناخت دی۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں جس دیہی زندگی کا تعارف کرایا ہے، رینو نے اسے ایک جامعیت فراہم کرتے ہوئے ایک وسیع میدان پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ناقد ڈاکٹر شیوکمار مشرا اپنے مشہور مضمون ''پریم چند کی پرمپرہ اور پھنیشور ناتھ رینو' میں لکھتے ہیں:

> رینو ہندی کے ان کہانی نویسوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے ماڈرنسٹ فیشن کی پرواہ کیے بغیر افسانہ نگاری کو ایک طویل عرصے کے بعد پریم چند کے ساتھ دوبارہ جوڑ دیا۔ وہ روایت جو متوسط طبقے کی شہری زندگی کی مرکزیت کی وجہ سے ہندوستان کی روح سے کٹ گئی تھی۔(۱)

رینو گاؤں کے ماٹی کی حقیقتوں کے کہانی کار ہیں۔ رینو کی روح گاؤں میں رہتی ہے۔ درحقیقت یہ بات ان کے تناظر میں بھی درست ہے کیونکہ وہ گاؤں کے ہر پہلو کو بتاتے ہیں کہ وہ غریب کسان ہے، مزدور ہے یا سیاسی کردار ادا کرنے والا کردار ہے یا زمیندار۔ وہ ہر چیز کی مکمل شکل پیش کرتے ہوئے وہ دیہی معاشرے کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ رینو نے اپنی تحریر کے ذریعے دیہی سماج کی حقیقت پسندانہ حالت اور سمت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس

حوالے سے ڈاکٹر سواس کمار کا کہنا ہے کہ:

''گاؤں ہر وقت رینو کے سینے میں دھڑکتا تھا اور اس کی دھڑکن کو انہوں نے اپنی تخلیقات میں کاغذوں پر اتاری ہے''۔(۲)

رینو کی کہانیاں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد دیہی معاشرے کی حقیقت کو پیش کرتے ہیں۔اگر آزادی سے پہلے ملک کی آزادی کا احساس ہے تو آزادی کے بعد ملک سے مایوسی کی کیفیت بھی ان کی کہانیوں میں ملتی ہے۔ڈاکٹر سواس کمار کے الفاظ میں:

''رینو آزادی کے بعد کے پورے دیہی معاشرے (ماحول) کی خوشی اور غم، خوشی اور مایوسی کی ایک عظیم داستان پیش کرتی ہے۔''(۳)

رینو انسان کے جذبے کو اور مایوسی اور محبت، دکھ اور ہمدردی وغیرہ اپنی کہانیوں میں خوشی اور درد کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔اس کے علاوہ رینو نے اپنے کہانیوں میں لوک عقائد، توہمات اور لوک گیتوں وغیرہ کو بھی جگہ دی ہے۔ یہ سب دیہی زندگی کی روح ہیں۔اس سب کے بغیر دیہی زندگی کی حقیقی شکل دکھانا ممکن نہیں۔

رینو انسان کے جذبے کو اور مایوسی اور محبت، دکھ اور ہمدردی کو اپنی کہانیوں میں خوشی اور درد کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔اس کے علاوہ رینو نے اپنے افسانوں میں روایتوں، لوک عقائد، توہمات، افسانوں اور لوک گیتوں وغیرہ کو بھی جگہ دی ہے۔ یہ سب دیہی زندگی کی روح ہیں۔اس سب کے بغیر دیہیسماج کی حقیقی شکل دکھانا ممکن نہیں۔

دیہی حقیقت کی جھلک رینو کی کہانیوں میں دیکھی جا سکتی ہے، وہ دیہی زندگی کی ایسی باشعور فنکار تھیں، جنہوں نے اپنے اندر موجود انسانی جدوجہد کو، اپنے نظریے کو نہایت ہی روح پرور انداز میں دیکھنے کی کوشش کی ہے، جس کا ثبوت یہ ہے۔ان کی کہانی ادب میں دیکھ سکتے ہیں۔ وہ دیہی سماج کے درد، بے سکونی اور جدوجہد کا گواہ رہا ہے۔اس لیے رینو کی کہانیوں میں ہم دیہی سماج کی حقیقت کو اس شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔

کہانی 'رس پریہ' میں رینو نے دیہی معاشرے سے غائب ہونے والی لوک ثقافت کی روایت کو پیش کیا ہے۔کہانی میں میردنگیہ کے ذریعے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ

''جیٹھ کی چڑھتی دوپہر میں بھی کھیتوں میں کام کرنے والے گانے نہیں گاتے ۔۔۔ کیا کچھ دنوں بعد کویل کھانا پکانا بھول جائے گی؟ اتنی دوپہر میں خاموشی سے کام کیسے کریں؟ پانچ سال پہلے تک لوگوں کے دلوں میں سکون تھا۔'' دیہی معاشرے میں جس میں لوک ثقافت کی اپنی اہمیت تھی۔ آج وہ لوک ثقافت اور لوک گیت آہستہ آہستہ دیہی معاشرے سے غائب ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، رینو نے کہانی میں کویل کی کہانی اور جیٹھ کی دوپہر کے ذریعے دیہی ماحول کی تصویر کشی کی ہے۔

'تیر تھوڑک' ایک ایسی کہانی ہے جو دیہی ماحول میں خواتین کی زندگی کی حقیقی شکل کو ظاہر کرتی ہے۔ کہانی میں ایک گاؤں کی عورت کی زیارت پر جانے کی بہترین خواہش کو دبایا جا رہا ہے لیکن پھر بھی وہ جاتی ہے۔ جب بودھ بابو بجرنگی چودھری کی بیوی کو سمجھاتا ہے، تو وہ اسے جواب دیتی ہے اور کہتی ہے، ''راکھے'' میں اپنا پورکھ بچن بہت سنا ہے، پورکھ بچن! میں چالیس سال سے اور کس کا وچن سن رہی ہوں۔ (کہانیوں کا مجموعہ: ٹھمری، صفحہ-28) لیکن جیسے ہی اس کی ٹرین اس کے اسٹیشن سے نکلنے والی ہے، وہ اپنے گاؤں کی ہر چیز کو دیکھ رہی ہے۔ رینو نے اس کہانی کے ذریعے ایک طرف یاترا کی تڑپ اور دوسری طرف دیہی سماج سے کٹتی دوری کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور وہ اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ دیہی معاشرے میں باہمی تعلقات کتنے مضبوط ہیں۔ اس تناظر میں ڈاکٹر سواس کمار نے کہا ہے کہ:

> ''رینو کا گاؤں سے محبت گاؤں کی مٹی سے جڑی ہوئی ہے، مٹی کی خوشبو سے پیوست ہے اور اسی لیے وہ کہیں بھی نام نہاد علاقائی تخلیق کاروں کی طرح لباس نہیں پہنتی۔'' (۴)

کہانی 'پنچ لائٹ' میں رینو دیہی سماج میں موجود جہالت پر سوال اٹھاتے ہیں۔ جس طرح ایک گاؤں میں پنچایت کی اپنی پارٹی ہوتی ہے، اسی طرح اس کہانی میں کئی پارٹیوں کا ذکر کیا گیا ہے جیسے بامن ٹولی، راجپوت ٹولی وغیرہ۔ گاؤں میں بھی الگ الگ گاؤں بستا ہے، ایک گاؤں میں پنچ لائٹ آنے کی وجہ سے دوسرے گاؤں کے لوگوں میں پنچ لائٹ لانے کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اب یہ اس کمیونٹی کی عزت کا سوال ہے۔ ایک دن گاؤں کے لوگ میلے سے پنچ لائٹ کو عوامی استعمال کے لیے لے آتے ہیں، لیکن تب ہی پتہ چلتا ہے کہ اسے جلانا کوئی نہیں جانتا۔ جب دوسرے اہل علاقہ کو

اس بات کا علم ہوا تو وہ گاؤں والوں کی معصومیت اور پنچ لائٹ نہ جلانے کی حالت پر ہنس پڑے۔ پھر ایک نوجوان نے آکر اطلاع دی کہ ''راجپوت گروہ کے لوگ ہنس ہنس کر پاگل ہو رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کان پکڑ کر پنچ لیٹ کے سامنے پانچ بار اٹھو بیٹھو، فوراً جلنا شروع ہو جائے گا۔ (کہانی کا مجموعہ: ٹھمری، صفحہ ۷۹) اس طرح کہانی میں مختلف ذاتوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے گاؤں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ایک گاؤں کا دوسرے گاؤں کی طرف لگاؤ، گاؤں کی پنچایت، باہمی رنجش اور نفرت وغیرہ دیہی سماج کی اصل شکل ہمارے سامنے لاتی ہیں۔ اس کہانی میں ایک محبت کا معاملہ بھی نظر آتا ہے، جس میں گاؤں کا ایک نوجوان لڑکا گودھن کو منری نامی لڑکی سے محبت ہے، لیکن دیہی معاشرے میں اسے مناسب نہیں سمجھا جاتا، جس کی وجہ سے پنچایت نے گودھن کا گاؤں سے بائیکاٹ کر دیا۔ خود جب گاؤں والے پنچ لائٹ روشن کرنے سے قاصر ہوتے ہیں تو منری اپنی دوست کے ذریعے پنچوں کو بتاتی ہے کہ گودھن پنچ لائٹ کو روشن کرنا جانتا ہے۔ پنچ کے لوگ آخر کار گودھن کو معاف کر دیتے ہیں تا کہ دوسرے گاؤں سے کسی کو پنچ لائٹ روشن کرنے کے لیے بلانے کی تذلیل سے بچ سکیں اور اس کا حُقہ پانی بحال ہو جائے اور یہ پنچ لائٹ گودھن کے ذریعے روشن ہو جائے۔

کہانی 'سرپنچی کا سگن' میں، رینو نے دیہی سماج سے جڑے لوگوں کے ساتھ ساتھ اس سے جڑی لوک روایات کو بھی پیش کیا ہے۔ پیش کی گئی کہانی کے ذریعے رینو دیہی معاشرے کے مستقبل کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتی ہے۔ اس کہانی میں رینو نے ایک متوسط کسان طبقے کے مسئلے کا خاکہ پیش کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ کالو کمار جیسے شخص کو گھر کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے کھیتی سے بیگانگی کی سنگین صورتحال سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ دیہی معاشرے میں بیل اور کھیتی باڑی کرنے والے کسان ہیں۔ ہم پریم چند کے گئودان میں بھی یہی صورتحال دیکھتے ہیں کہ ہوری جیسا کسان اپنے مرد کی خاطر اپنا کھیت چھوڑنا نہیں چاہتا۔ کہانی میں ایک لوک روایت کے طور پر، ہم دیکھتے ہیں کہ:

> ''لوہر سار سے واپسی کے بعد، بیلوں کو نہلایا جاتا ہے اور سینگوں پر تیل لگایا جاتا ہے۔ چاول کے آٹے کو ہل کے خرگوش پر سفید کیا جاتا ہے، عورتیں اس پر دیوی لکشمی کے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو سندور سے نشان لگاتی ہیں۔ گاؤں بھر کے کسان اپنے ہل، بیل اور چھوٹے بچوں کے ساتھ گاؤں کے باہر پڑی

زمین پر جمع ہوتے ہیں۔نئی چھری سے چوتھائی ہاتھ زمین کو چھیلنے کے بعد کیلے
کے پتے پر خالص دودھ اور کیلے کے موتی چڑھائے جاتے ہیں۔''(۵)

'مارے گئے گلفام' رینو کی مشہور کہانی ہے۔اس کہانی کے ذریعے رینو نے دیہی اور شہری سماج کی قربت کو جوڑنے کی کوشش کی ہے۔کہانی کے مرکزی کردار ہیرامن اور ہیرابائی ہیں۔ دراصل یہ کہانی گاڑی والا ہیرامن اور رقاصہ ہیرابائی کی محبت کی کہانی پر مبنی ہے۔ ہیرامن ان پڑھ ہے لیکن اپنے اخلاق اور طرزعمل میں ہیرابائی کا احترام کرتا ہے۔ یہ دونوں کردار مختلف ماحول میں رہنے والے کردار ہیں لیکن چند گھنٹوں کے سفر کے بعد دونوں کے درمیان محبت بڑھ جاتی ہے۔اس حالت میں آنے کے بعد، دونوں 'قبولیت کی ذہنی کیفیت اور مسترد کی کشمکش سے گزرتے ہیں۔سفر کے دوران رینو ہیرامن اور ہیرابائی کے درمیان گفتگو کے ذریعے ایک نیا ماحول بناتی ہے۔اس گفتگو کے ذریعے رینو اپنے کردار کے راستے میں رونما ہونے والے تمام واقعات کو بھی بیان کرتے ہیں، جیسے مہوا گھٹوارین، فاربس گنج میں میلے کے انعقاد کی وجہ وغیرہ۔اس کے ساتھ وہ یہاں کے دیہی علاقے کو بھی بیان کرتے نظر آرہے ہیں۔ جب ہیرامن اپنی بیل گاڑی میں ہیرابائی کو فاربس گنج لے جارہا ہے، راستے میں پڑنے والے کھیتوں کے پرشکوہ سایہ کی تعریف کرتے ہوئے، وہ کہتا ہے۔''دریا کے کنارے پر کھیتوں سے کھلتے دھان کے پودوں کی ہوا مہکتی ہے۔ میلے کے دن گاؤں میں ایسی خوشبو پھیل جاتی ہے۔اس کی گاڑی میں چمپا کا پھول پھر سے کھلا۔اس پھول میں بھگوتی کی طرح فرشتہ بیٹھا ہے۔(کہانی کا مجموعہ: ٹھمری، صفحہ۔108) ہیراماں گاؤں کے ایک مخصوص علاقے کی خوبصورتی کو بھی گانوں کے ذریعے ظاہر کرتی ہے۔''جے میا سروستی، آرجی کرت بنی ہمارا پر ہوکھوسہائے ہے میا ہمارا پر ہوکھوسہائے''۔(دس نمائندہ کہانیاں، صفحہ۔131)۔ اسی کہانی پر 'تیسری قسم' نام سے فلم بھی بنائی گئی، جو بہت مقبول ہوئی۔

کہانی 'لال پان کی بیگم' میں رینو نے دیہی معاشرے میں قربت کی عکاسی کی ہے۔اس کہانی کا مرکزی کردار برجو کی ماں ہے۔ وہ کمی ہونے کے باوجود بھی عزت نفس کے ساتھ جینے کی خواہش رکھتی ہے۔اس کہانی کے ذریعے رینو نے دیہی معاشرے میں رقص دیکھنے جیسی فطری خواہشات پر توجہ مرکوز کی ہے، لیکن بیل گاڑی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اس سے ناراضگی کا اظہار بھی کرتی ہے،

جسے رینو نے دیہی معاشرے کے تناظر میں طنز کی طرح اٹھایا ہے۔ مکھنی پھوا کی اس آواز کی طرح۔ ''ارے کیا برجو کی ماں ڈانس دیکھنے نہیں جائے گی؟'' (کہانی کا مجموعہ: ٹھمری، صفحہ۔138) دوسری طرف کہانی میں ورجو کی ماں سے حسد کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، برجو کی ماں، اپنی بیل گاڑی میں کافی جگہ دیکھ کر، گاؤں کی دوسری عورتوں جیسے جنگی کی پھٹو، لارین کی بیوی وغیرہ کو رقص دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس طرح رینو نے اس کہانی میں دیہی سماج کے رشتوں کو خوب نبھایا ہے۔ اس کہانی میں برجو کی ماں دوسری عورتوں کو بلا کر میلہ دکھاتی ہے یا گاڑی میں رقص کرتی ہے، جس سے دیہی معاشرے میں پیار کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔

آخر میں، میں کہہ سکتی ہوں کہ پریم چند کے بعد رینو ہندی کہانی کے ان چند کہانی کاروں میں سے ایک ہیں، جنہوں نے ہندوستانی دیہی سماج کو اس کی مکمل اندرونی حقیقت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ درحقیقت دیہی سماج کے تناظر میں ان کی کہانیاں انسان دوستی، جذبہ اور انوکھے پن سے بھرا ہوا ہے۔ رینو نے اپنی کہانیوں میں پورے دیہی معاشرے کی حقیقی شکل کو پیش کیا ہے اور دیہی سماج کے ہر پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ دیہی معاشرے میں لوک ثقافت اور لوک گیت آہستہ آہستہ ختم ہوتے جا رہے ہیں، دیہی سماج کے مستقبل کی فکر، دیہی سماج میں رہنے والی قربت، خواتین کی زندگی، رشتے وغیرہ کی جھلک، اتحاد کا احساس، باہمی نفرت، محبت کا رشتہ، لوک روایت کی اہمیت، کسی خاص علاقے کی تفصیل وغیرہ ان کی کہانیوں میں نظر آتا ہے۔ اس طرح رینو اپنی کہانیوں میں دیہی سماج کے انسانوں کے جذبہ اور محبت، غم اور ہمدردی، ہنسی، خوشی اور درد کو ساتھ لے کر چلتے نظر آتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پھنشور ناتھ رینو دیہی سماج کے زوال اور انسانی رشتوں کے راوی ہیں۔

دیہی حقیقت کی جھلک رینو کی کہانیوں میں دیکھی جا سکتی ہے، وہ دیہی زندگی کی ایسی باشعور فنکار تھے، جنہوں نے اپنے اندر موجود انسانی جدوجہد کو، اپنے نظریے کو نہایت ہی روح پرور انداز میں دیکھنے کی کوشش کی ہے، جس کا ثبوت یہ ہے۔ ان کی کہانیاں ہندی ادب کے قارئین کے درمیان بہت مقبول ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ پریم چند نے اپنی کہانیوں میں گاؤں کو متعارف کرایا تھا جبکہ رینو نے کہانیوں کو جامعیت فراہم کرتے ہوئے ایک وسیع میدان پیش کیا۔ وہ دیہات کے درد، بے سکونی اور جدوجہد کا گواہ رہا ہے۔ اس لیے رینو کی کہانیوں میں ہم دیہی سماج کی حقیقت کو اس شکل

میں دیکھ سکتے ہیں۔ رینو کا اپنی ماٹی سے لگاؤ ہی اتنا تھا کہ ان کی کہانی کا تانا بانا اسی ماٹی سے جا ملتا تھا۔

مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ رینو کے پاس قوم کی تعمیر اور اس کی ترقی کے لیے ایک جامع اور ہمہ جہتی تخیلات اور ایکشن پلان ہے۔ یہ اس سے متعلق تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتا ہے۔ فائدہ اور نقصان، قانون سازی اور اپوزیشن، تمام مطلوبہ اور متعلقہ سرگرمیوں اور قوم کی تعمیر کے اس کے خیال کو مکمل طور پر پیش کرتا ہے۔ جو لوگ رینو کو علاقائی تخلیق کار سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے تھے، انہیں یقین کرنا پڑے گا کہ وہ ''تیسری قسم'' کے ہیرا من کی طرح اہم ہے۔ ایسے لوگ 'تیسری قسم' کی کہانی کو رومانوی محبت کی کہانی سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ رینو کی تصنیفاتی اہمیت کے لحاظ سے زیادہ ذہین اور بالغ نہیں ہیں اور اگر وہ اندر ہی اندر رینو کی اہمیت کو محسوس کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی علاقائی اور رومانوی کہلائے جا رہے ہیں، تو انہیں ماننا پڑے گا کہ وہ گراوٹ کے پھوٹے ہیں۔ ایک منحرف ذہنیت سے کارفرما ہیں۔

رینو نے جس جامعیت اور علمیت کے ساتھ قوم کی تعمیر اور قوم کی ترقی کے معاملے میں اپنے خیالات کو اپنی تخلیقات کے ذریعے پیش کیا ہے، وہ اسے ایک اٹل تخلیق کار قرار دیتی ہے۔ ہم اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب اردو میں بھی علاقائی عنصر کو اسی ماٹی کے رنگ و روپ اور خوشبو کے ساتھ کہانیاں مزید منظر عام پر آئیں۔

☆☆☆

حواشی:

(۱) بھومیکا، پھنیشور ناتھ رینو کی بہترین کہانیاں

(۲) آنچلکتا، یتھارواد اور پھنیشور ناتھ رینو، صفحہ۔ ۲۷

(۳) آنچلکتا، یتھارواد اور پھنیشور ناتھ رینو، صفحہ۔ ۱۷

(۴) آنچلکتا، یتھارواد اور پھنیشور ناتھ رینو، صفحہ۔ ۹۹

(۵) کہانی کا مجموعہ: ٹھمری، صفحہ۔ ۸۴